عبادت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

محمد اسامہ رضی خان*

ABSTRACT:

It was the miraculous nature of the prophecy that Prophet Mohammad (SAW) established Islamic State in a short span of 23 years, as a complete code of life, encompassing every aspect of life, ""Testimony" to the ultimate truth i.e.'Sovereignty of Allah in all afffairs of state system and human society in real terms' was set as its greatar part of paramount importance, whereas the structure of the very best system of life was built on the pillars of a complete set of Ibadah.

What is The basic Concept of Islamic Ibadah? It is an important and detail Subject.

In the present paper we just briefly discuss, The meaning and terminology of Islamic Concept of Ibadah.

''عبادت'' کا لفظی اور اصطلاحی مفہوم اپنی نہاد میں وہ نہیں ہے جو اردو زبان میں مروج و مستعمل ہے...... ''عبادت'' عربی زبان کا لفظ اور قرآن و اسلام کی مستقل اصطلاح ہے جو ''عبد'' سے ماخوذ ہے۔ یہ حقیقت اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے کہ ایک زرخیز زبان کی حیثیت سے عربی زبان کے الفاظ و اصطلاحات بالخصوص قرآنی اصطلاحات کے معنی و مفہوم کی کثرت و وسعت دیگر زبانوں کے مقابلے میں زیادہ ہے، چنانچہ عبادت کے معنی و مفہوم اور تصورات و اطلاق اور متعلقات کی تشریح قدرے تفصیل کی متقاضی ہے۔

۱۔عبادت کے لغوی معنی

لغوی اعتبار سے لفظ عبادت کے مادہ اشتقاق سے متعلق ائمہ لغت کے یہاں بالاتفاق یہ قول مسلمہ ہے کہ اس کے حروف اصلیہ ع، ب اور د ہیں اور یہ لفظ ''عبد'' سے ماخوذ ہے(۱)۔ عربی زبان میں ''عبد'' کا لفظ ''غلام'' اور ''مملوک'' کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ اور یہ لفظ ''آزاد'' (حر) کے مقابل متضاد معنی میں بولا جاتا ہے۔(۲)

عبد کے اصل معنی:

عربی لغت میں عبودیۃ اور عبدیۃ کے اصلی معنی انتہائی خضوع اور تذلل کے ہیں۔ مکمل عاجزی و فروتنی اور کامل انقیاد

* ریسرچ اسکالر، شعبہ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی　　برقی پتا: researchjournalpk@gmail.com
تاریخ موصولہ: ۱۱/مارچ ۲۰۱۲ء

کے ہیں (۳)۔یعنی پوری طرح کسی کے قابو میں آجانا، راضی ہوجانا، تابع ہوجانا، کسی کے آگے جھک جانا اور اس طرح سپر ڈال دینا کہ پھر اس کے مقابل کسی نافرمانی، حکم عدولی اور کسی بغاوت و سرکشی یا انحراف ومزاحمت کی گنجائش باقی نہ رہے اور وہ اپنی مرضی ومنشا کے مطابق جس طرح چاہے خدمت لے لے۔ چنانچہ اہل عرب اس راستے کو جس پر آنے جانے والے بہت ہوں یا جس پر خوب چلا جائے۔ **المعبد** کہتے ہیں (۴)۔ کثرت آمدورفت کی وجہ سے راہ گیروں کے قدموں سے جب وہ راستہ خوب روندا جاچکا ہو اور پوری طرح پامال ہوکر بالکل صاف اور ہموار ہوگیا ہو تو اسے **طریق معبد** کہتے ہیں۔(۵)

الازہری نے کہا ہے کہ: **المعبد** سے مراد وہ راستہ ہے جس پر خوب چلا جائے۔

اَلْمُعَبَّدِ وہ راستہ ہے جس میں نہ کوئی نشان ہو نہ پانی ہو۔(۶)

اسی طرح عرب اس اونٹ کو جو پوری طرح قابو میں آکر سواری کے لیے بالکل تیار کیا جاچکا ہو۔ ''**بعیر معبد**'' کہتے ہیں۔(۷)

شمر نے کہا کہ **اَلْمُعَبَّدِ** وہ ہے جس کی پوری کھال پر خارش کی دوا ملی گئی ہو اور **اَلْمُعَبَّدُالاجْرَب** وہ اونٹ ہے جسے دوا ملنے کے لیے باقی اونٹوں سے الگ کرلیا گیا ہو۔

اور جس اونٹ کو خارش نے ذلیل کردیا ہو اسے **هُوَالَّذِیْ عَبَّدَهُ الْجَرْبُ** کہا جاتا ہے۔(۸)

لسان العرب میں **اَلتَّعَبَّدُ** تذلل، **اَلتَّعبِید**، تذلیل اور **اَلْمُعَبَّدُ** ذلیل کیا گیا، بیان ہوا ہے۔(۹)

الصحاح میں **عبودیة** کی اصل **الخضوع** اور **الذل** ہے یعنی عاجزی وانکساری اور ذلت وپستی اور **تعبد** بمعنی تذلیل یعنی غلامی وتابعداری ہے۔(۱۰)

المخصص میں ہے ''عبادت'' کی اصل تذلیل ہے یعنی غلامی، فرومائیگی اور تحقیر ہے اہل زبان کا قول ہے **طَرِیْقٌ مُعَبَّدٌ** اور اسی سے **اَلْعَبْد** اخذ کیا گیا ہے، چونکہ وہ اپنے مالک اور آقا کا غلام ہوتا ہے۔

قاموس میں ہے: **تَعَبَّدَفُلَانٌ لِفُلَانٍ** یعنی فلاں نے فلاں کی تابعداری کی اور ہر وہ خضوع جس سے بڑھ کر کوئی خضوع نہ ہو، وہی تو عبادت ہے (۱۱)، عبویت کی اصل خضوع اور تذلل ہے (۱۲)۔ اور اسی اصل سے اس کے مادہ ''عبد'' میں ''غلام'' اور ''مملوک'' کا وہ تصور پیدا ہوتا ہے جو لفظ ''حر'' کی ضد کہلاتا ہے۔

''غلام'' کے مفہوم کی تشریح لسان العرب میں:

العبد سے اخذ کیے گئے معنی، غلام کی جو تفصیل لسان العرب میں بیان ہوئی ہے اس کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

عبد......غلام کو کہتے ہیں جو آزاد نہ ہو اور کسی کی ملکیت میں ہو۔

اللیث نے **وَاعْبُدُهُ عَبْداً** کا مطلب اسے اپنی ملکیت بنالیا بیان کیا ہے جبکہ

الازہری نے کہا ہے کہ اہل لغت کے یہاں یہ معروف ہے کہ **اَعْبَدتُّ فُلاَ نًا** یعنی میں نے فلاں کو غلام بنالیا۔

وَتَعبَّدُالرَّجُلُ وَعَبَدَهُ، وَتَعَبَّدَالرَّجُلُ آدمی کو غلام بنالیا یا اسے غلام کی طرح بنادیا۔

یہی معنی **عبدہ، اعبدہ اعتبدہ اور استعبدہ** کے بھی ہیں یعنی اسے غلام بنالیا۔

تعبدت فلاناً (میں نے فلاں کو غلام بنالیا) یہ بالکل **عبدتہ** کہنے کے مانند ہے۔اسی طرح **تامیت فلانہ** یعنی میں نے فلاں عورت کو لونڈی بنالیا ہے۔

ایک حدیث مبارکہ میں ہے تین آدمی ہیں جن کے خلاف قیامت کے دن میں مستغیث بنوں گا۔

رجل اعتبد محرراً (ایک وہ شخص جس نے ایک آزاد کو غلام بنالیا)

ایک اور روایت میں ہے:

اعبد محرراً (آزاد کو غلام بنالیا) اور وہ یوں ہے کہ آزاد کرنے کے بعد پھر غلام بنالے اور اس سے جبراً خدمت لیتا رہے یا کسی آزاد کو پکڑ کر یہ دعویٰ کرے کہ یہ غلام ہے اور اسے اپنی ملکیت بنالے۔

قرآن کریم میں ہے کہ (حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے کبر اور احسان کے طعنہ کی تردید میں کہا تھا:

وَتِلْکَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدتَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ (شعراء:۲۲)

رہا تیرا احسان جو تو نے مجھ پر جتایا ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنالیا تھا۔

اور تیرا وہ احسان جس کا طعنہ تو مجھے دے رہا ہے (یا تو نے مجھ پر جتایا ہے) اس کی حقیقت یہ ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو اپنے سامنے جھکالیا انہیں ذلیل و رسوا کرتے ہوئے اپنا غلام بنالیا اس میں تیری مجھ پر کونسی مہربانی ہے۔اگر تو نے یہ ظلم نہ ڈھایا ہوتا تو میری ماں مجھے اپنے گھر سے ٹوکری میں ڈال کر کیوں بہاتی اور میں تیرے گھر پرورش پانے کیوں آتا۔میری پرورش کے لیے میرا اپنا گھر نہ تھا جو تو اس پرورش کا مجھ پر احسان جتارہا ہے؟

اَلتَّعَبُّدُ کسی کو غلام بنانا۔**الاعتباد** بھی یہی ہے۔

یہی **اَلْاَعْبَادُ** ہے اور یہی **التعبد** ہے۔(۱۳)

لسان العرب میں عبادت کے مادہ عبد کی بیان کردہ اس تشریح سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ عربی زبان میں مادہ عبد کا بنیادی واساسی مفہوم آزاد کے مقابلہ میں غلام اور مملوک کا جو تصور مستعمل ہے اس کا مطلب کسی کو بالاتر و بالادست سمجھتے ہوئے دل سے اس کی برتری کو تسلیم کرلینا اور اس کی بالادستی کا قائل ہوجانا ہے۔

پھر اس کے مقابلہ میں اپنی آزادی و خودمختاری سے خود کو دست بردار کرلینا اور اس کی طاقت و جبروت کے آگے ذلت وعاجزی کے ساتھ پوری طرح رام ہوجانا اور اس کی غلامی و بندگی کی حالت میں اس طرح زندگی بسر کرنا ہے کہ اس میں کوئی سرکشی و بغاوت، حکم عدولی یا مزاحمت اور سرتابی وانحراف باقی نہ رہ جائے، یہی غلامی و بندگی کے تصور کی حقیقت ہے۔

چنانچہ ایک عربی ذہن اس لفظ سے اسی بنیادی حقیقت کی ترجمانی کرتا ہے اور اس لفظ سے بندگی و غلامی کا یہی اولین تصور اس کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے۔

۲۔عبادت کا مفہوم۔۔۔قرآن مجید کی روشنی میں

عبادت اسلام کی بنیادی اصطلاح ہے۔قرآن کریم کے مطابق انسان کو جس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے، وہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ انسان صرف اللہ ہی کی عبادت کرے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (۱۴)

میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔

گویا ''عبادت''ہی وہ اصل مقصد ہے جس کے لیے خالق کائنات نے سارا کارخانہ عالم اور حیات انسانی تخلیق کیا ہے(۱۵)۔اسی لیے انسانی تاریخ میں جتنے بھی انبیائے کرام آئے، ان سب کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ وہ سب ایک صدا بلند کرتے ہوئے آئے کہ: **اعْبُدُواْ اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَـٰهٍ غَيْرُهُ** (۱۶)

اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا کوئی الہٰ نہیں۔

قرآن نے دوٹوک انداز میں مسلسل اسی عبادت کی تذکیر اور یاددہانی کرائی ہے اور قرآن کریم اور انبیائے کرام کی پوری دعوت اور جدوجہد اسی ایک مرکزی نکتے کے گرد گھومتی ہے کہ:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولاً أَنِ اعْبُدُواْ اللَّهَ وَاجْتَنِبُواْ الطَّاغُوتَ (۱۷)

اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا، اور اس کے ذریعے سے سب کو خبردار کردیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔

إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ (۱۸)

یہ تمہاری امت حقیقت میں ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں، پس تم میری عبادت کرو۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُواْ رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ (۱۹)

لوگو، بندگی اختیار کرو اپنے رب کی اس رب کی جس نے تمھیں پیدا کیا۔

وَاشْكُرُواْ لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ (۲۰)

اگر تم حقیقت میں اللہ کی بندگی کرنے والے ہو تو اللہ کا شکر ادا کرو۔

وَمَنْ عِندَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ (۲۱)

اور جو (فرشتے) اس کے پاس ہیں وہ نہ اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر اس کی بندگی سے سرتابی کرتے ہیں اور نہ ملول ہوتے ہیں۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کا واضح ارشاد گرامی ہے کہ: ''کیا جانتے ہو کہ خدا کا حق بندوں پر کیا ہے؟ یہ کہ اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ کریں۔(۲۲)

درج بالا قرآنی آیات واشارے تو محض نمونے کے طور پر ہیں ورنہ خود ان آیات کا مفہوم اور انبیاء کی تمام تر تعلیمات اسی ایک مقصد عظیم کے گرد گھومتی ہے۔(۲۳)

اس لیے یہ جاننا نہایت ضروری ہے کہ ''عبادت'' سے کیا مراد ہے؟ اگر اس کے معنی ومفہوم، ترکیب وتشکیل اور عملی تقاضوں کو نہ سمجھا یا اس کے سمجھنے میں کوئی نقص یا خامی رہ جائے یا اس کا تصور مبہم، ادھورا اور غیر واضح ہو اور حقیقی تصور پر پردہ پڑا رہ جائے تو اس سے نہ صرف یہ کہ پورا قرآن، انبیاء کرام اور حضور ﷺ کی تمام تر تعلیمات بھی غیر واضح، نامکمل اور ناقص رہ جائیں گی، ہمارے عقائد واعمال کی دنیا بھی ناقص ونامکمل ہوجائے گی اس کا اثر ہماری پوری زندگی پر پڑے گا۔روئے زمین پر پوری حیات انسانی میں نقص پیدا ہوجائے گا۔اور نوع انسانی اپنے مقصد تخلیق یا مقصد حیات ہی کو گنوا بیٹھے گی۔(۲۴)

بنیادی اصطلاح اور بالخصوص اس مرکزی اصطلاح کی حیثیت واہمیت، جسد انسانی میں بنیادی ومرکزی اعضاء کی سی ہے انسانی وجود کے تمام اعضائے رئیسہ اگر صحت مند حالت اور درست مقام پر ہوں گے تو پورا جسم انسانی تندرست، توانا اور فعال رہے گا............لیکن اگر ان مرکزی اعضاء میں کوئی نقص اور خرابی پیدا ہوگئی یا وہ ناکارہ ہوکر رہ گیا تو اس سے پورے جسم کی سلامتی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔پھر جس طرح جسم کے اعضائے رئیسہ میں سے کسی عضو کی خرابی جسم کے دیگر حصوں کو بھی متاثر کرتی اور اسے ایسے ناقابل تلافی نقصان سے دوچار کردیتی ہے، پھر اس کا مداوا اس کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا کہ اس خراب عضو کی اصلاح کی فکر کی جائے اور اسے درست حالت میں واپس لایا جائے۔بالکل اسی طرح کسی نظام فکر میں مرکزی یا بنیادی اصطلاح کے معنی ومفہوم کو علمی وعملی سطح پر سمجھنے میں کوئی نقص یا خرابی پیدا ہوگئی تو اس سے متعلق دیگر تمام اصطلاحات کے مفاہیم ومدعا کی تفہیم بھی متاثر ہوتی ہے۔اس کا مداوا سوائے متاثرہ اصطلاحات کی صحت کی فکر، درست تفہیم اور حقیقی روح کو زندہ کیے بغیر نہیں ہوسکتا۔(۲۵)

عہد رسالت ﷺ میں جب خود نبی کریم ﷺ نے اللہ کی عبادت کی دعوت پیش کی تو اہل عرب اور خصوصاً اہل قریش کے لیے اس دعوت کو سمجھنا قطعاً مشکل نہیں تھا، اور وہ بلاشک وشبہ حقیقت کو سمجھ گئے تھے۔کیونکہ یہ ان کی بول چال کا لفظ تھا، ان کی عام زندگی میں رچا بسا اور مستعمل تھا۔چنانچہ وہ اس کے معنیٰ ومفہوم، تعلیم وتقاضے اور اس سے مراد ومقصود اور اسکے مطالبے کو فوراً ہی سمجھ گئے اور اس میں انہیں کسی دقت اور غلط فہمی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔لیکن بعد کی صدیوں میں پہلے مسلم بادشاہوں کی ملوکیت اور پھر بیرونی استعماری طاقتوں کی غلامی کے نتیجے میں اسلامی تاریخ کا دریا جس سمت میں رواں دواں ہوا تھا، وہ دوشاخہ ہوگیا۔اسلام کی حقانیت کی روح سے سرشار ملت اسلامیہ کی تاریخ دعوت وتحریک علیحدہ ہوگئی اور مسلم ملوک یا حکمرانوں اور ان کے مفادات کی تاریخ الگ ہوگئی۔اسلام کی جو تاریخ ابتدا میں یکتا تھی وہ حقیقت اور واقعیت کے دو علیحدہ علیحدہ دھاروں میں بٹ گئی اور امامت کی اجتماعی زندگی کی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سے اسلام ہٹ گیا یا ہٹا دیا گیا۔عربی کا مشہور مقولہ ہے کہ ''مچھلی ہمیشہ سر سے سڑتی ہے'' چنانچہ اسلام بھی زندگی کے غالب نظام اور مختلف دائروں میں اپنی حکمرانی

سے سمٹ سمٹ کر انفرادی دائروں کی حدود میں محدود ہو کر رہ گیا۔ نتیجتاً اسلام کی تعلیمات کی اصل روح بھی متاثر ہوتے ہوتے، بڑی حد تک فنا ہونا شروع ہوگئی اور اس کی بنیادی اصطلاحات کے مفاہیم بھی مسخ اور محدود ہونے لگے۔ پھر چونکہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر! کے مصداق، اسلام کے بنیادی ستون اپنی ظاہری شکل میں تو برقرار رہ گئے لیکن ان کی حقیقی، نظریاتی روح متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی اور ان کی اصل حقیقت پر تاریخ کی گرد جمتی چلی گئی..........عبادت چونکہ انسان کی بنیاد کا بیج ہے اور صرف اللہ کی عبادت اس کا مقصد حیات ہے، لہٰذا آج بہت ضروری ہے کہ عبادت کی حقیقت کو تاریخ کی گرد جھاڑ کر خود عہد رسالت ﷺ کے دور میں جا کر دیکھا اور سمجھا جائے اور ان سوالات کے جوابات حاصل کر کے اس کی اصل روح تک پہنچا جائے۔

۳۔عبادت کا مفہوم............بنیادی عناصر ولوازم

گزشتہ باب میں عبادت کی جو تشریح اور اس کی لغوی تاریخ بیان کی گئی ہے اس کی روشنی میں ''عبادت'' کے مفہوم میں دو بنیادی لوازم شامل ہیں۔

اولاً اطاعت، کیونکہ غلام کی بنیادی ذمہ داری پوری زندگی آقا کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا ہے اور آقا کے ہر حکم کی تعمیل اور اس کے ہر فرمان کی اطاعت وتابعداری کرنا ہے، اس لیے غلامی کے ساتھ لازماً اطاعت کا تصور پیدا ہوتا ہے کیونکہ یہ بات لازم ٹھہرتی ہے کہ غلام جس آقا کے حضور ذلت وفروتنی اور خضوع وتحقیر اختیار کرتا ہو، اعتراف بندگی میں سر جھکاتا ہو وہ اس کی اطاعت وفرمانبرداری بھی کرے، اس کے ہر حکم کی تابعداری پورے جذبہ وفاداری سے کرے اور اس کی فرماں برداری میں دوڑ دھوپ کرے، اس کے ہر حکم کی اطاعت کرے اور اس کے ہر فرمان پر اپنی جان تک قربان کر دے کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس سے بندہ وغلام کے تصور کی تنسیخ ہو جاتی ہے اور بالبداہت یہ بات غلط تصور کی جائے گی کہ غلام جس ذات کے حضور جذبہ غلامی کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے اور اعتراف بندگی کرتے ہوئے اپنی آزادی سے دست بردار ہوتا ہے وہ اپنی زندگی کے معاملات میں اپنے آقا کے حکم، فرمان اور قانون کی اطاعت کو لازم نہیں جانتا.......... چنانچہ غلامی کے تصور کے ساتھ لازماً اطاعت کا تصور بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ یعنی ایسی اطاعت جو غلام کی زندگی کے ہر پہلو پر ہمہ وقتی طور پر محیط ہو اور وہ اپنے آقا کے ہر امر ونہی کی برضا ورغبت اطاعت وفرمانبرداری کرتا ہو۔ عاجزانہ اطاعت کا یہ تصور اس قدر ناگزیر ہے کہ عبادت واطاعت لازم وملزوم اور ہم معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ (صرف عبادت کے ایک لفظ سے اسلام کے اصطلاحی معنی کا تعین کرنا صحیح نہیں، بلکہ پورے قرآن وحدیث کے ذخیرہ سے جو معنی متعین ہوتے ہیں، وہی مطلوب ہیں، صرف ایک لفظ سے دیگر معانی بھی مستنبط کیے جا سکتے ہیں۔ عرب میں اُس وقت جنگوں میں جن کو غلام اور کنیز بنایا جاتا تھا، وہ برضا ورغبت غلامی کو قبول نہیں کرتے تھے۔ یہ اُن کی مجبوری تھی۔ جبکہ اسلام میں اللہ تعالیٰ کی عبدیت ایک انسان برضا ورغبت اختیار کرتا ہے۔ مدیر)

دوسرے یہ کہ جب ایک غلام اپنے آقا کے حضور اپنی آزادی واختیار سے دست بردار ہو کر انتہائی خضوع اور عاجزی کا

اظہار کرتے ہوئے کامل انقیاد کے ساتھ اپنے آقا کی اطاعت وفرماں برداری میں خود کو دے چکا ہو اور صرف یہی نہیں بلکہ مرتبہ اور بزرگی کے اعتبار سے بھی اس کی بالادستی کا معتقد اور اس کی برتری پر یقین رکھتا ہو اور اسی کو اپنا حاجت روا تصور کرتا ہو تو وہ اپنے مالک اور آقا کو نہ صرف معظم ومکرم اور مخدوم ومحترم سمجھتا ہے، بلکہ اس کی محبت وعنایات اور مہربانی والتفات پر اس کی تعظیم وتکریم میں بھی حد درجہ مبالغہ کرنے لگتا ہے اور ان کے لیے مخصوص مراسم اختیار کر لیتا ہے اور طرح طرح سے ان کی بجا آوری کرنے لگتا ہے بندگی کے یہ مخصوص طریقے اور مراسم جو حد درجہ تعظیم وتکریم سے آراستہ اور مالک کے لیے جذبہ شکر وسپاس سے لبریز بھی ہوں پرستش کہلاتی ہے۔ یہ پرستش حد درجہ عاجزی وانکساری، ذلت وپستی، کامل انقیاد، مطلق اطاعت، مکمل فرماں برداری کے ساتھ ساتھ غلام کے جذبہ شکر اور اعتراف احسان وحاجت روائی پر مبنی جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ تصور عبدیت کے مفہوم میں غلام کی قلبی آمادگی اور سپردگی کی علامت ہے۔ یہ تذلل اور کامل محبت دونوں کا مجموعہ ہے۔ یعنی .... انتہائی تذلل وعاجزی کے ساتھ ساتھ قلبی آمادگی، محبت واحترام اور تعظیم وتکریم کے جذبات کا غماز اور غلامی جب ان جذبات سے لبریز ہو کر جب مخصوص مراسم عبودیت کی شکل اختیار کرتی ہے تو پرستش اور پوجا کہلاتی ہے۔

۴۔عبادت کے دوکلیدی اجزا

پس ایسی اطاعت وغلامی اور ایسی رسوم پرستش وپوجا کے مجموعے سے عبادت تشکیل پاتی ہے۔ عبادت انہی دونوں کلیدی اجزاء کا مجموعہ ہے۔ جس کا انطباق فرد اور جماعت یا افراد اور اقوام دونوں پر ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے عبادت کا دائرہ محض پرستش وپوجا کی حد تک محدود نہیں رہتا بلکہ انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر زندگی میں سمع واطاعت کے نظام تک محیط ہو جاتا ہے جو انسان کی پوری تمدنی وسیاسی زندگی پر مشتمل ہے۔ انسان کی قومی واجتماعی زندگی، معیشت ومعاشرت، سیاست وحکومت، قانون وعدالت، اخلاق وتربیت اور جنگ وصلح کے ضوابط سمیت بین الاقوامی معاملات وتعلقات تک زندگی کے تمام شعبوں کا احاطہ کرتی ہے۔

یہاں یہ امر بھی واضح رہنا چاہیے کہ عبادت کے یہ دونوں اجزاء جوہری اعتبار سے مختلف یا اپنی علیحدہ علیحدہ حیثیتوں میں بالذات کوئی مستقل اور مختلف اجزاء نہیں ہیں جنہیں ان کی مختلف حیثیتوں کے ساتھ مختلف مقامات سے اٹھا کر ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہو یا مختلف اجزاء کو ملا کر کوئی تیسرا معجون مرکب تیار کیا گیا ہو اور ان مختلف النوع اجزاء کے ملاپ کو عبادت قرار دیا گیا ہو، ایسا سمجھنا نہ صرف حقیقت کے برخلاف ہوگا بلکہ تصور عبادت کی حقیقی تفہیم میں بہت بڑا مغالطہ پیدا کر دے گا اور مختلف نوعیّتوں پر مبنی علمی یا عملی انحراف کی راہیں کھول دے گا۔ ان اجزاء کی علیحدہ تخصیص یا نشاندہی محض تفہیم کی غرض سے کی جاتی ہے۔ ورنہ ان دونوں اجزا کی ذاتی حیثیت میں اس طرح کی کوئی علیحدہ شناخت نہیں ہے، عبادت کے ان دونوں کلیدی اجزاء کی ایک ہی بیج عبادت سے پھوٹنے والی دو شاخوں کی سی ہے، یہ دونوں شاخیں جوہری اعتبار سے اپنی اصلیت اور کیفیت میں ایک ہیں، ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں، ایک دوسرے کی زندگی

وبقا کے لیے ناگزیر ہیں اور باہم یکساں مزاج اور اسلوب کے حامل ہیں۔ یہ ایک دوسرے کو متاثر کرتے ہیں اور متاثر ہوتے ہیں۔ یہ ایک دوسرے کی تکمیل کا ذریعہ ہیں، ان کے وجود میں ایک ہی روح کی کارفرمائی ہے اور ان کی رگوں میں ایک ہی خون گردش کر رہا ہے۔ ان کے باہمی ربط یا تعلق کی نوعیت بالکل وہی ہے جو گوشت اور ناخن یا جڑ اور تنے کے مابین ہوتی ہے ان میں سے کسی ایک جز کا خلا اس کا فقدان وانہدام، عبادت کے وجود کو ہی فنا کر دے گا۔ ایسا کرنا یا ہونا عبادت کی ماہیت ہی کو بدل کر رکھ دے گا۔ تمدنی زندگی میں جب اس تقسیم کو اختیار کیا جاتا ہے تو یہ حیات انسانی کو دورنگی اور تناقض میں مبتلا کر دیتا ہے۔ عبادت کا حقیقی تصور اس تناقض ودورنگی سے نباہ نہیں کر سکتا کیونکہ اس طرح عبادت کے وجود ہی کی نفی ہو جاتی ہے۔

لہٰذا ہم بغیر کی تاویل یا تعبیر کے کہہ سکتے ہیں کہ عبادت مکمل اطاعت اور مراسم عبودیت وپرستش پر مشتمل غیر منقسم اکائی ہے اور عبادت کے دونوں اجزاء ایک ہی بیج سے نکلنے والے درخت ہیں ....عبادت کا صرف لغوی مفہوم ہی مذہب اور دنیا کی تقسیم وتفریق کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ عبادات اور معاملات کی علیحدگی کے تصور کی تنسیخ کر دیتا ہے اور اس کے بجائے کلی عبادت کے تصور کو غالب وکارفرما رکھتے ہوئے اس جڑ سے پھوٹنے والی دوشاخوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ اطاعت وپرستش کی یہ مربوط ومنسلک اکائی ہی عربی زبان میں عبادت کہلاتی ہے۔ سمع واطاعت پر مبنی معاملات زندگی کے مختلف انفرادی واجتماعی دائرے خواہ وہ معاشرتی سطح کے ہوں یا ریاستی وحکومتی امور سے متعلق ہوں، یہ سب باہمی طور پر مراسم عبودیت سے پیوست اور اسے مربوط وہم آہنگ کرتے ہیں اور یہ اپنی اپنی جگہ علیحدہ علیحدہ بالذات اکائیاں نہیں ہیں جو بذات خود اپنا وجود رکھتی ہوں۔ اگر ایسا ہوگا تو عبادت کا مفہوم مسخ ہو جائے گا۔

۵۔عبادت: لغوی تعریف سے اخذ ہونے والے مباحث ونتائج

عبادت کے مفہوم میں غلام کی زندگی کے دونوں لوازم [(۱) اطاعت و (۲) پرستش] کے بارے میں قاموس میں ہے **العبودية، العبدية والعبادة، الطاعة** اور الصحاح میں بھی **العبادة الطاعة** (فرمانبرداری) **التعبد: التنسک** (پرستش) ہے۔

المخصص میں ہے کہ **تعبد فلان لفلان** کا مطلب ہے فلاں نے فلاں کی تابعداری کی (۱۴)۔ لسان عرب میں اس حوالے سے بیان کی گئی تشریح کے اہم نکات درج ذیل ہیں۔

o...... **العبادة. الطاعة** (یعنی عبادت، اطاعت ہے)

o...... **ومعنى العبادة فى اللغة الطاعة مع الخضوع** یعنی لغت میں عبادت اس اطاعت کو کہتے ہیں جو پوری فرمانبرداری اور انکساری وپستی کے ساتھ ہو۔

o...... **وقومهما لنا عابدون، اى دائنون وكل من دان الملك فهو عابد له. وقال ابن الانبارى:**

فلان عابدوهو الخاضع لربه المستسلم المنقاد لامره. یعنی یہ جو فرعون نے کہا تھا کہ موسیٰؑ اور ہارونؑ کی قوم ہماری عابد ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کی قوم ہماری تابع فرمان ہے اور جو شخص کسی بادشاہ کا مطیع ہو یا جو کوئی بادشاہ کی فرمانبرداری کرتا ہے اور اس کے سامنے جھکتا ہے وہ اس کا عابد ہے............اور ابن الانباریؒ نے کہا ''**فلان عابد**'' کا مطلب ہے وہ اپنے ''ربّ'' (مالک) کا فرماں بردار اور اس کے حکم کا مطیع ہے۔

o...... الزجاجؒ نے کہا: **عبدالطاغوت ای اطاعه یعنی الشیطان فیما سَوَّل له وأَغواه**

طاغوت کی عبادت کی یعنی طاغوت کی اطاعت کی یا اس کا فرمانبردار ہو گیا یا اس نے شیطان کی اطاعت کی ان چیزوں میں جن میں اس نے اسے بہلایا، پھسلایا، اور ورغلایا۔

o...... **ایاک نعبد و ای نطیع الطاعة التی یخضع معها ایاک نعبد** کے بارے میں کہا ہے کہ ہم ایسی اطاعت کرتے ہیں جس میں جھکاؤ اور عاجزی ہے یا ہم تیری اطاعت پوری فرمانبرداری کے ساتھ کرتے ہیں یا ہم تیری اطاعت پوری فرمانبرداری اور انکساری وپستی کے ساتھ کرتے ہیں۔

o...... **اعبدوربکم ای اطیعوربکم** اپنے رب کی عبادت کرو یعنی اپنے رب کی اطاعت کرو۔

اس کے علاوہ قاموس میں ہے:

العبدية والعبودية والعبادة: الطاعة

الصحاح میں بھی یہی بیان ہوا ہے کہ

العبادة: الطاعة

اسی طرح آقا کے حضور غلام کی زندگی میں سے حد درجہ بڑھی ہوئی تعظیم وتکریم پر مبنی مخصوص رسومات اور طریقوں کی ادائیگی کو جو مراسم عبودیت کی صورت اختیار کر لیتے ہیں سے متعلق ابن منظور افریقی، لسان العرب میں تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

o...... **يَعْبُدُهُ عِبَادَةً وَمَعْبَدًا وَمَعْبَدَةً تَأَلَّهَ' لَهٗ'** اس کی عبادت کی یعنی اس کی پوجا (یا پرستش) کی۔

o...... **عَبَدَاللّٰه** ....**تَأَلَّهَ لَهُ** اللہ کی عبادت کی یعنی اللہ کی پرستش کی۔

o...... **والتَّعَبُّدُ: التَّنَسُّکُ**، یعنی تعبد سے مراد کسی کا پجاری اور پرستار بن جانا ہے۔

گویا غلام جب اپنے آقا کی اطاعت وفرمانبرداری کرتے ہوئے دل سے اس کی بزرگی وبرتری اور بالادستی کا معتقد ومعترف ہو جاتا ہے تو اس کا دل اپنے معبود ومطاع کی محبت سے لبریز ہو جاتا ہے اور آقا کی مہربانیوں اور نوازشات پر اس کے جذبات شکر ونیاز مندی سے سرشار ہوتے ہیں تو وہ اس کے اظہار کے لیے حد درجہ تعظیم وتکریم پر مبنی رویے اختیار کرتا ہے اور مختلف مستقل طریقوں سے مراسم بندگی کی صورت میں ڈھالنے لگتا ہے یہی رویہ اور طرز عمل پوجا وپرستش سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ غلام یا مملوک دو حیثیتوں میں اپنے آقا کے حضور انتہائی خضوع و تذلل اختیار کرتا ہے:

اولاً یہ کہ اس کا اصل کام اپنے مالک و آقا کی دل و جان سے فرماں برداری اور آقا کے ہر حکم کی برضا و رغبت و بے چون و چراں اطاعت و بندگی ہے۔

دوئم یہ کہ آقا کی تعظیم و تکریم، انسیت و محبت اور اس کے لیے جذبہ شکر و احسان اس طرح اس کے دل میں گھر کر چکا ہو کہ آقا ہی اس کا مطلوب و مقصود اور محبوب ہو اور وہ اپنے مالک کو پرستش و پوجا کے لائق سمجھے اور اس کے اظہار کے لیے مراسم عبودیت بجالائے۔

عربی کا ایک مشہور مقولہ ہے ''**وبضدها تتبين الاشياء**''

یعنی اشیاء کی وضاحت ان کی ضد کی معرفت سے ہوتی ہے۔

جیسے سیاہ اور سفید، اندھیرا اور اجالا، حق اور باطل، سچ اور جھوٹ، ایمان اور کفر یا عدل اور ظلم ایک دوسرے کے مقابل استعمال ہوتے ہیں۔ ان کا تقابلی مطالعہ ایک دوسرے کی حقیقت کو دوٹوک انداز میں واضح کر دیتا ہے اور اضداد کا یہ تقابلی شعور علم و بصیرت کو زیادہ گہرائی اور پختگی بخشتا ہے۔ اضداد کی پہچان سے کسی بھی حقیقت کا علم یقین و ایمان کی منزل حاصل کر لیتا ہے......

آیئے اس اعتبار سے بھی ''عبادت'' کے لغوی مفہوم کو تحقیق و تفصیل سے دیکھتے ہیں: ابن منظور افریقی نے لکھا ہے کہ:

o...... عبادت کا مادہ ''عبد'' لفظ ''حر'' کی ضد ہے............ اور اس میں ''استکبار کی نفی ہے''۔ اس کی وضاحت میں وہ حدیث نبوی ﷺ نقل کرتے ہیں کہ: تم میں سے کوئی اپنے غلام کو میرا غلام اور میری لونڈی نہ کہے بلکہ کہے میرا لڑکا اور میری لڑکی اور اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے اس ارشاد کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اپنے آپ کو غلاموں سے بڑا نہ سمجھیں۔

عاجزی و درماندگی دراصل معبود کے سامنے عبد کی بندگی اور عبودیت کا اظہار ہے، یہ کہ عبد خود کو اپنے معبود کے سامنے حقیر اور اس کا غلام و مطیع سمجھتا ہے۔ اسی لیے عبادت کا ضد لفظ ''استکبار'' استعمال ہوا ہے۔ جب اللہ نے فرشتوں کو آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا کہ ''**اسجدو لاٰدم**''، تمام فرشتوں نے تعمیل کی لیکن ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا اس عمل کو قرآن نے فوراً ہی ابی و استکبر عدم اطاعت و تکبر کہا ہے۔

اور جو لوگ بندگی کا اظہار نہیں کرتے تو قرآن کریم میں ہے:

إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ (مومن:۶۰)

جو لوگ گھمنڈ میں آکر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں۔

اس طرح فرشتوں کی صفت بندگی کے بارے میں کہا ہے:

لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ (اعراف:۲۰۶)(انبیاء:۱۹)

جو فرشتے تمہارے رب کے حضور تقرب کا مقام رکھتے ہیں وہ کبھی اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں آ کر اس کی عبادت سے منہ نہیں موڑتے، اور اس کی تسبیح کرتے ہیں، اور اس کے آگے جھکے رہتے ہیں۔

ان آیات مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ عبادت، استکبار کے مقابل اور متضاد معنی میں ہے اور استکبار دراصل معبود کے مقابل خود کو بڑا سمجھنا ہے۔

فرعون کے سامنے موسیٰ کی یہ دعوت کہ اعبدوا اللہ کے مقابلے میں فرعون کے انکار کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

ترجمہ: ''اور قارون وفرعون وہامان کو ہم نے ہلاک کیا، موسیٰ ان کے پاس بینات لے کر آیا، مگر انہوں نے زمین میں اپنی بڑائی کا زعم کیا''۔ (عنکبوت:۳۹)

خود قرآن کریم میں جب حضور ﷺ کو پہلی مرتبہ ایک خدا کی بندگی کی دعوت عام کا حکم دیا گیا تو اسے ان الفاظ میں بیان کیا گیا۔

وربک فکبر

اور اپنے رب کی کبریائی بیان کرو۔

جو لوگ ''اعبدوا اللہ'' کا انکار کرنے والے ہوتے ہیں وہ خضوع اور تذلل کے ساتھ غلامی اختیار کرنے کے بجائے استکبار سے کام لیتے ہیں ان کے لیے قرآن کا یہ قول ہے کہ:

إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْن (غافر:۶۰)

جو لوگ گھمنڈ میں آ کر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں، ضرور وہ ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

مراجع وحواشی

(۱) الف۔ افریقی، ابن منظور، لسان العرب، ج۳ فصل العین، ص۲۷۰، ۲۷۱، نشر ادب الحوزۃ قم، ایران، ۱۴۰۵ھ

ب۔ اصفہانی، راغب، مفردات القرآن، کتاب العین ص۶۶۲، ۶۶۳ (ترجمہ مولانا عبدہ فیروز پوری) اسلامی اکادمی، لاہور ۱۹۸۷ء

ج۔ نعمانی، عبدالرشید، مولانا، لغات القرآن، فصل العین، ص۱۶۱، ۱۶۲، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۶۴ء ج۱، باب الالف

د۔ کیرانوی، وحیدالزمان قاسمی، مولانا، القاموس الوحید، ج۲، باب العین، ص۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ادارہ اسلامیات، لاہور، کراچی

ہ۔ کیلانی، عبدالرحمٰن، مولانا، مترادفات القرآن، ص۲۷۷، مکتبۃ لسام الفروق اللغویہ، لاہور، ۲۰۰۵ء

و۔ ابن کثیر، عماد الدین الدمشقی، تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورۃ فاتحہ، ج۱، ص۳۹، (ترجمہ) مکتبہ تعمیر انسانیت

ز۔ مودودی، ابوالاعلیٰ سید، تفہیم القرآن، ج۴، ص۳۵۵، ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۸۴ء

(۲) افریقی، ابن منظور، ایضاً ص۲۷۰، ۲۷۱　(۳) ایضاً　(۴) ایضاً　(۵) ایضاً

(۶) ایضاً　(۷) ایضاً　(۸) ایضاً　(۹) ایضاً　(۱۰) ایضاً

(۱۱) الجوہری، اسماعیل بن حماد، مختار الصحاح (الصحاح) بحوالہ ''اسلام میں عبادت کا حقیقی مفہوم'' القرضاوی، یوسف ڈاکٹر، ترجمہ خدا بخش کلیار ایڈووکیٹ، الفیصل، لاہور ۲۰۰۴ء

(۱۲) افریقی، ابن منظور، ص۲۷۰، ۲۷۱

(۱۳) ایضاً، ص۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴ (۱۴) القرآن، سورۃ الذریات، آیت ۵۶

(۱۵) i۔ابن تیمیہ۔رسالہ "العبودیۃ"، ترجمہ اصلاحی، صدرالدین، مولانا، حقیقت عبودیت، ص۱۲، اسلامک پبلکیشنز لمیٹڈ، لاہور، جنوری ۱۹۹۲

ii۔مودودی، ابوالاعلیٰ سید، تفہیم القرآن، ج۴، ص۲۵۵، ایضاً

(۱۶) القرآن، سورۃ الاعراف، آیت ۵۹، ۶۵، ۷۳، ۸۵ (۱۷) القرآن، سورۃ النحل، آیت ۳۶

(۱۸) القرآن، سورۃ الانبیاء آیت ۹۲ (۱۹) القرآن، سورۃ البقرہ آیت ۲۱ (۲۰) القرآن، سورۃ البقرہ آیت ۱۷۲

(۱۲) القرآن، سورۃ الانبیاء آیت ۱۹ (۲۲) ابن کثیر، عمادالدین الدمشقی، ایضاً، ج۱، ص۸۶

(۲۳) تفصیل کے لیے دیکھیے، مودودی، ابوالاعلیٰ سید، قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، ص۷، اسلامک پبلکیشنز، لاہور ۱۹۹۷

(۲۴) ایضاً، ص۹، ۱۰

(۲۵) تفصیل کے لیے دیکھیے، ابن تیمیہ، رسالہ ''العبودیۃ'' ترجمہ صدرالدین، اصلاحی ''حقیقت عبودیت''، ص۷